اسلام میں ارتداد کی سزا

مولانا سید عبدالشکور ترمذی ساہیوال
سرگودھا

قسط (۲)

دوسری دلیل اور اس کا تجزیہ | دوسری دلیل مضمون نگار نے سزائے ارتداد کی نفی پر اس طرح پیش کی ہے لکھتے ہیں: "پھر قرآن کریم سورہ البقرہ آیت ۲۱۷ میں فرماتا ہے، اور جو شخص تم میں سے اپنے دین سے پھر سے، پھر مر جائے، حالانکہ وہ کافر ہی ہے۔ سو یہی ہیں جن کے عمل دنیا اور آخرت میں کام نہ آئے۔ اور یہی آگ والے ہیں۔ وہ اسی میں رہیں گے۔" — یہاں مرتد کی حالت کفر پر مرنے کا ذکر ہے۔ نہ اس کے قتل کرنے کا (نوائے وقت مذکور)

سورہ بقرہ کی آیت ۲۱۷ سے مرتد کے لئے سزائے قتل کی نفی نہیں ہوتی، اس لئے کہ اس آیت میں ارتداد پر دنیا اور آخرت میں حبط اعمال کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ اور دنیا میں حبط اعمال کے اندر یہ بھی داخل ہے کہ ایک مسلمان کیلئے اسلام کی وجہ سے جو عصمت نفس اور اسکی جان کی حفاظت کی ضمانت حاصل ہوتی ہے۔ اور اس لئے وہ معصوم الدم ہوتا ہے۔ ارتداد سے اس کا وہ حق ضبط ہو جاتا ہے۔ اور وہ مباح الدم ہو کر سزائے قتل کا مستحق ہو جاتا ہے۔

اس طرح مرتد کی سزائے قتل بھی اس کے حبط عمل میں داخل ہو کر اس کا ثبوت بھی اس آیت سے ہی ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ابن حیان اندلسی کی تفسیر بحر محیط میں اسی آیت کے تحت لکھا ہے کہ حبوط عمل فی الدنیا کا مطلب یہ ہے کہ مرتد واجب القتل ہے۔ وھو حبطہ فی الدنیا باستحقاق قتلہ والحاقہ فی الاحکام بالکفار — (بحر محیط ص ۱۵۱/۲) یا پھر حبط اعمال سے دنیا اور آخرت کے ایسے احکام مراد ہوں جو بہر صورت ارتداد پر مرتب ہوتے ہیں۔ اور سزائے ارتداد بھی ان کے مرتب ہونے سے اس کو نہیں بچا سکتی۔ دنیا میں مثلاً مرتد کے

جنازہ کی نماز نہیں پڑھی جاتی۔ اور اسکی سب عبادات نماز روزہ وغیرہ کالعدم ہوجاتی ہیں۔ اور آخرت میں اسکو کسی عبادت کا ثواب نہیں ملتا بلکہ اسکی منکوحہ کا اس کے نکاح سے نکل جانا اور گذشتہ عبادات کا ثواب ضائع ہوجانا تو دنیا اور آخرت کے ایسے احکامات ہیں جن سے سزائے ارتداد تو کیا اسلام کی طرف رجوع کرنا بھی اسکو نہیں بچاسکتا۔ اور یہ احکامات ہر صورت میں ارتداد پر مرتب ہوکر ہی رہتے ہیں چاہے اس پر سزائے ارتداد جاری ہوسکی ہو یا جاری نہ ہوسکی ہو اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں ارتداد پر حبط اعمال کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ اس کا ترتب ارتداد پر سزائے قتل کے علاوہ ہوتا ہے۔ کیونکہ سزائے قتل، ارتداد پر ہر صورت میں مرتب نہیں ہوتی بلکہ اسلام کی طرف رجوع کرنے سے یہ سزا مرتفع ہوجاتی ہے۔ اور بعض صورتیں ایسی بھی پیش آجاتی ہیں، جن میں اس سزائے قتل کا جاری کرنا ممکن ہی نہیں ہوتا مثلاً جرم ارتداد کا شرعی طریقہ پر ثبوت نہیں ہوسکا۔ یا ملک میں اسلامی قانون جاری نہ ہونے کی وجہ سے شرعی سزائیں نافذ نہ ہوئی ہوں۔ لیکن حبط اعمال ارتداد پر ہر صورت میں مرتب ہوتا ہے۔ اس کے ترتب سے سزائے ارتداد بھی مرتد کو نہیں بچاسکتی۔

غرضیکہ اس آیت میں مرتد کے حالت کفر پر مرنے کے ذکر اور اس کے قتل کے ذکر نہ ہونے سے یہ سمجھنا غلط ہے کہ اسلام میں ارتداد کی سزا قتل نہیں ہے۔ اس لئے کہ یا تو حبط اعمال میں یہ سزائے قتل بھی حسب تفسیر بحر محیط داخل ہے۔ یا اس میں قتل کے علاوہ دوسری سزا حبط اعمال کا ذکر ہے۔ قرآن کریم میں ایک جگہ قتل عمد کے بارہ میں صرف لعنت اور غضب وغیرہ کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ اور قصاص کا ذکر نہیں فرمایا۔ مگر یہ اسکی دلیل نہیں بن سکتی کہ قاتل عمد پر قصاص نہیں ہے اسی طرح جن آیات میں ارتداد کی سزائیں صرف حبط عمل یا لعنت کا ذکر آیا ہے، یہ بھی اس بات کی دلیل نہیں ہے۔ کہ ارتداد کی سزا قتل نہیں ہے۔ اس لئے کہ کسی جگہ جرم کی ایک سزا کا ذکر ہوتا ہے، اور دوسری جگہ دوسری سزا کا۔ مگر مسئلہ کا فیصلہ دونوں جگہوں کے ملانے سے کیا جائے گا، ایک سزا کے ذکر سے دوسری سزا کا انکار کرنا درست نہیں ہوسکتا۔

تفسیر آیت | ومن یرتدد منکم عن دینہ فیمت وھو کافر فاولئک حبطت اعمالھم فی الدنیا والآخرۃ واولئک اصحاب النار ھم فیھا خالدون۔ (سورۃ لبقرہ آیت ۲۱۷)

اس آیت میں شرط کے طور پر دو چیزوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ ایک ارتداد اور دوسرے موت علی الکفر اسی طرح شرط کی جزا میں بھی دو چیزیں مذکور ہیں ایک حبط اعمال اور دوسرے خلود نار۔ جس طرح شرط کے دو جز ہیں اسی طرح جزا کے بھی دو جز ہیں۔ پھر چونکہ جزا کا پہلا جز حبط اعمال شرط کے پہلے جز ارتداد سے متعلق ہے۔ اس لئے اعمال کا حبط تو محض ارتداد سے ہی ہوجاتا ہے۔ اور اس کے لئے موت علی الکفر شرط نہیں ہے۔ چنانچہ اسکی تصریح دوسری آیت ومن یکفر بالایمان فقد

حبط عملہ۔ (سورۃ مائدہ) میں بھی حبط اعمال کو صرف ارتداد پر مرتب فرما کر فرما دی گئی ہے۔ اور جزا کے دوسرے جز خلود نار، کا تعلق شرط کے دوسرے جزء موت علی الکفر سے ہے۔ اس لئے مرتد کے موت علی الکفر کے بغیر صرف ارتداد پر ہی اس کے لئے خلود نار کا حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ اس لئے آیت زیر تفسیر میں مرتد کے لئے خلود نار کا حکم بتلانے کے لئے موت علی الکفر کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ اس سے اسکی سزائے قتل کی نفی کرنا مقصود نہیں ہے۔ کیونکہ اوّل تو سزائے قتل کے بعد بھی یہ خلود نار کا حکم اس کے لئے باقی رہتا ہے، جبکہ اس نے توبہ نہ کی ہو۔ کیونکہ یہ موت بذریعہ سزائے قتل بھی موت علی الکفر ہی میں داخل ہے۔ اور خلود نار کا یہ حکم مرتد کے لئے سزائے قتل کے بعد بھی باقی رہتا ہے۔ دوسرے ارتداد کے بعد سزائے قتل مرتد پر لازمی طور سے فوراً ہی جاری نہیں کر دی جاتی۔ بلکہ اس کو مہلت بھی دیدی جاتی ہے۔ اب اگر اس مہلت کے زمانہ میں سزائے ارتداد کے نفاذ سے پہلے ہی وہ حالت کفر پر مرگیا تو اس حالت میں بھی یہ حکم خلود نار کا اس کے لئے ثابت رہے گا۔ اور شاید ارتداد کے بعد اس آیت میں مرتد کی موت علی الکفر کو فائے تعقیب جسکا مفاد ترتیب بلا مہلت ہوتا ہے، کے ساتھ ذکر میں بھی اس طرف اشارہ ہو، اور مطلب یہ ہو کہ جو شخص ارتداد کے بعد بغیر مہلت کے فوراً حالت کفر پر مرجائے۔ اور اس پر دنیوی سزائے ارتداد قتل کے نفاذ کی نوبت ہی نہ آئی ہو۔ تو اس شخص کے بھی تمام عمل دنیا و آخرت میں ضائع ہو جائیں گے۔ اور یہ شخص دوزخی ہوگا۔ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہے گا۔

خلاصہ خلاصہ یہ ہوا کہ اس آیت میں مرتد کی حالت کفر پر مرنے کا ذکر اس لئے نہیں کیا گیا کہ ارتداد کی دنیوی سزا اور اس کا انجام قتل نہیں ہے۔ بلکہ اس کے حالت کفر پر مرنے کا ذکر ارتداد کے اخروی انجام خلود نار کو بتلانے کے لئے کیا گیا ہے۔ اور اسی خلود نار کے لئے ہی موت علی الکفر شرط ہے۔ خواہ حالت کفر پر اسکی یہ موت دنیوی سزائے قتل کو بھگتنے اور جاری ہونے کے بعد واقع ہوتی ہو۔ یا ابھی اس سزا کے بھگتنے کی نوبت ہی نہ آئی ہو اور موت طبعی سے وہ مرا ہو۔ ہر حالت میں کفر پر موت کا اخروی انجام خلود نار مرتب ہوگا۔ اور آیت دونوں حالتوں کو شامل ہوگی۔

تیسری دلیل اور اس کا تجزیہ مضمون نگار نے لکھا ہے، سورۃ المائدہ کی آیت ۵۴ میں بھی مرتد کا ذکر ہے۔ مگر وہاں اس کو قتل کرنے کا حکم نہیں نہ قرآن کریم میں کسی جگہ قتل مرتد کا حکم ہے۔ (حوالہ بالا)
خلاصہ مطلب آیت ۵۴ کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو خطاب کر کے فرماتے ہیں کہ جو کوئی تم میں سے مرتد ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس فتنۂ ارتداد کی سرکوبی اور اپنے دین کی حفاظت و حمایت کے لئے

ایک ایسی قوم کو کھڑا کرے گا جس میں کامل ایمان والوں اور خاصانِ خدا کی صفاتِ کاملہ اور اوصافِ فاضلہ جمع ہوں گی اور اس فتنۂ ارتداد کے قلع قمع کرنے اور مرتدین کے قتل و قتال کیلئے اللہ تعالیٰ کی جانب سے اسکو برانگیختہ کیا جائے گا۔ وہ قوم ان مرتدین کی ایسی سرکوبی کرے گی کہ کفر سر اٹھانے کے قابل نہ رہے گا۔ اسی آیت میں اسبات پر صاف طور سے دلالت پائی جاتی ہے۔ کہ ارتداد کی سزا قتل ہے۔ اور واضح طور پر ارتداد کی سزائے قتل کا ذکر اس آیت میں موجود ہے۔ مگر مضمون نگار لکھتے ہیں کہ "وہاں بھی اسکو قتل کرنے کا حکم نہیں"۔ ان کا یہ دعویٰ بڑا ہی حیرت انگیز اور تعجب خیز ہے۔

من بدل دینہ فاقتلوہ | حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اپنا دین تبدیل کرے اس کو قتل کردو۔ مضمون نگار نے پہلے تو ایسے دلائل قرآنیہ کا ذکر کیا ہے، جن سے ان کے زعم میں سزائے ارتداد قتل کی نفی ہوتی تھی ان کا تو تجزیہ کرکے اوپر کی تحریر میں دکھلایا گیا ہے کہ مضمون نگار کا یہ مقصد ان آیاتِ قرآنیہ سے کسی طرح بھی ثابت نہیں ہوسکتا۔ بلکہ ان کے مقصد کے برخلاف بعض آیات سے قتل مرتد پر استدلال کیا جاسکتا ہے۔ جیساکہ سورۃ بقرہ آیت ۲۱۷ اور سورۃ المائدہ کی آیت ۵۴ سے ارتداد کی سزائے شرعی قتل پر استدلال کا ذکر ہماری اس تحریر میں گذر چکا ہے۔

اس کے بعد انہوں نے حدیث زیرِ عنوان پر خامہ فرسائی کی ہے۔ لکھا ہے کہ "احادیثِ نبوی میں صرف ایک حدیث حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے حضرت علیؓ کے زمانہ میں کہ جب بعض زنادیق کو جلایا گیا تو یہ فرمایا کہ ان کو قتل کرنا چاہیے تھا۔ کیونکہ نبی کریمؐ نے فرمایا تھا "جو شخص اپنا دین تبدیل کرے اسے قتل کردو۔" لیکن یہ بات قطعاً غلط ہے۔ کہ مرتد کے بارہ میں صرف ایک حدیث مروی ہے۔ بلکہ ذخیرہ احادیث میں تقریباً تیس حدیثیں اس بارہ میں مروی ہیں۔ اور گیارہ حدیثیں تو حدیث کی درسی کتابوں میں موجود ہیں۔ اور خود اس حدیث کو بخاری ص ۱۰۲۳ کی روایت کے علاوہ امام نسائی نے سات سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے جو محدثین کے اصول کی رو سے سات حدیثیں قرار پاتی ہیں۔ یہ مختصر مضمون اسقدر احادیث کے نقل کا متحمل نہیں ہے۔ اس لئے حدیث مذکور کے علاوہ صرف ایک اور حدیث بخاری ہی سے نقل کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے جسکو امام مسلم نے بھی روایت کیا ہے اور مضمون نگار نے معلوم ہوتا ہے اس سے قصداً اغماض کرلیا ہے۔ ورنہ بخاری میں من بدل دینہ سے ملی ہوئی اگلی حدیث بھی ہے۔

ایک اور حدیث شریف | حضرت ابو موسیٰؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے والیٔ یمن تھے۔ ایک مرتبہ حضرت معاذؓ یمن پہنچے تو دیکھا کہ ان کے پاس ایک قیدی لایا گیا۔ حضرت معاذؓ کے دریافت کرنے پر حضرت ابو موسیٰؓ نے تبلایا کہ یہ یہودی تھا۔ پھر اس نے اسلام قبول کیا۔ اس کے بعد پھر مرتد ہو کر

یہودی ہو گیا۔ حضرت معاذؓ نے فرمایا، میں اس وقت تک نہیں بیٹھوں گا۔ جب تک کہ اس کو قتل نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ اللہ اور رسولؐ کا فیصلہ اور حکم یہی ہے۔ چنانچہ اس کے بارہ میں حکم صادر کیا گیا۔ اور اسکو قتل کر دیا گیا ہے۔ (بخاری صفحہ ۱۰۲۳ جلد ۲)

من بدل دینہ میں دین سے کون سا دین مراد ہے ۔۔۔۔۔۔

مضمون نگار نے لکھا ہے " اس حدیث کے الفاظ میں عمومیت ہے وہ قائم نہیں رہ سکتی کیونکہ اسکی رو سے کوئی شخص کوئی سا ایک دین چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کرے اسے قتل کرنا چاہیئے جو بالبداہت باطل ہے۔ اس لئے حدیث کے الفاظ کو مقید کرنا ہوگا " (حوالہ بالا)

حالانکہ بداہتہً معلوم ہے کہ حدیث مذکور میں دین سے مراد قطعاً ویقیناً دین اسلام ہے۔ نہ کہ کوئی سا دین اس لئے کہ اگر کوئی سا دین مراد ہوتا اور اسلام کے علاوہ کسی شخص کا اپنے دین کو تبدیل کر کے اسلام میں داخل ہونا، قتل کا سزاوار ہوتا، تو پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا کفار کو اسلام کی طرف دعوت دینا اور اسلام کے قبول کرنے کی طرف بلانا ہی کیسے ممکن تھا۔ اس لئے اس حدیث میں جس تبدیلی دین کو سزاوار قتل قرار دیا گیا ہے اس سے مراد دین اسلام کا تبدیل کرنا ہے۔ اور یہ خطاب مسلمانوں کو ہو رہا ہے۔ کہ جو شخص اپنا دین تبدیل کرے اسے قتل کر دو۔ اس خطاب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دین سے سوائے دین اسلام کے اور کونسا دین مراد ہو سکتا ہے! کیا اسلام کے علاوہ کوئی اور دین بھی (العیاذ باللہ) شرعاً معتبر ہو سکتا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک دین اسلام ہی ہے۔" اور جو کوئی اسلام کے سوا اور دین تلاش کرے تو وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔" (قرآن پاک سورہ آل عمران)

جب ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں خطاب مسلمانوں کو ہے اور مقصد نبوی دین اسلام سے ارتداد اور تبدیلی کو سزاوار قتل قرار دیتا ہے۔ تو پھر من بدل دینہ کے اندر من کی تعمیم میں مسلم کے ساتھ کافر کو مراد لیا جا سکتا ہے۔؟ اور دینہ سے دین اسلام کے سوا دوسرا دین کیسے مراد ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ مضمون نگار نے یہ ترجمہ کیا ہے۔ کیونکہ من سے مراد مسلمان ہے۔ غیر مسلم اس میں شامل ہی نہیں ہے۔ اور دینہ کی ضمیر اسی مَن کیطرف راجع ہے جس سے مراد مسلمان ہے۔ اور مقصد حدیث یہ ہے کہ جو مسلمان اپنا دین تبدیل کرے اسکی سزا قتل ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی میں مَن کو مسلم اور غیر مسلم کے لئے عام سمجھنے اور دین کے دین اسلام اور غیر اسلام مراد لینے کی گنجائش پیدا کرنا مقصد متکلم کے برخلاف کلام میں تحریف کرنے کے مترادف ہے۔ بالفرض اگر دین سے مراد دین اسلام اور اس کے علاوہ دوسرے ادیان یہودی اور نصرانی

مراد ہوں۔ اور مطلب یہ ہو کہ کوئی شخص کوئی سا ایک دین چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کرے اسے قتل کر دو، تو چونکہ یہ حکم مسلم حکام کو ہے اور اس کے مخاطب مسلمان ہیں تو پھر بھی اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہو سکتا کہ اسلام میں داخل ہونے پر بھی سزائے قتل جاری کی جائے گی اور کسی یہودی یا نصرانی کا مسلمان ہونا اور اسلام میں داخل ہونا مستوجب سزائے قتل ہے بلکہ یہ مطلب ہوگا کہ اسلام کے علاوہ جو دوسرے ادیانِ باطلہ ہیں ان کی تبدیلی اور ایک دینِ باطل کو ترک کر کے دوسرے دینِ باطل میں داخل ہونا مثلاً یہودی سے نصرانی بن جانا بھی مستوجب سزائے قتل ہے۔

عورتوں کے استثناء کی دلیل اوّل تو دوسری حدیثوں میں چونکہ صاف طور پر عورتوں کے قتل کرنے کی ممانعت آئی ہے۔ دوسرے من شرطیہ کے عموم میں مردوں کے ساتھ عورتوں کا داخل ہونا بھی مشتبہ تھا۔ اس لئے کہ مَن کے اندر اسی حد تک عموم مراد لیا جائے گا جس حد تک متکلم نے اس سے عموم مراد لیا ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے چونکہ عورتوں کے قتل سے ممانعت فرمائی ہے تو اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ من بدل دینہ میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مَن کے عموم میں مردوں کے ساتھ عورتوں کو مراد نہیں لیا۔ اس لئے امام ابو حنیفہؒ نے سزائے ارتداد قتل سے عورتوں کو مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ فتح الباری میں ہے وخصہ الحنفیۃ بالذکر وتمسکوا بحدیث نہی عن قتل النساء واحتجوا ایضاً بان من الشرطیہ لا تعم المؤنث۔ (ص ۲۲۵ ج ۱۲)

کیا سزائے ارتداد کیلئے محاربہ شرط ہے؟ جب ادپر کی تحریر سے یہ ثابت ہوگیا کہ مقصدِ حدیث یہ ہے کہ جو مسلمان دینِ اسلام کو اختیار کرے پھر اس کے ترک کرنے کی سزا قتل ہے۔ کیونکہ حدیث من بدل دینہ فاقتلوہ میں علت قتل ارتداد اور تبدیل دین کو قرار دیا گیا ہے۔ اس میں محاربہ کی قید نہیں لگائی گئی اور مرتد کا محارب ہونا قتل کے لئے شرط نہیں قرار دیا گیا۔ اس لئے مضمون نگار کا اس میں محاربہ کی قید لگانا اور یہ لکھنا، کہ اس سے مراد وہی لوگ ہیں جو اسلام کو چھوڑ کر ساتھ ہی مسلمانوں کو چھوڑ کر کفار سے جا ملتے تھے اور ان کا قتل ضروری تھا۔

چنانچہ اس قید کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے عورتوں کو اس حکم سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ اور اسکی وجہ یہی ہو سکتی ہے کہ عورتیں جنگ میں حصہ نہ لیتی تھیں"۔ (حوالہ بالا)

حدیث مذکور کے مقصد کو تبدیل کر کے (نعوذ باللہ) اسکو بے معنی قرار دینے کے مترادف ہے، اس لئے کہ جب حدیث میں تبدیل دین کو سزائے قتل کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ تو اب اگر اس میں محاربہ کی قید لگائی جائے گی۔ تو دین کا تبدیل کرنا سزائے قتل کا سبب نہیں رہے گا۔ بلکہ محاربہ سزائے قتل کا سبب

قرار پائے گا۔ اور اس میں مقصود شارع کا ابطال ہے۔ کیونکہ شارع نے تو تبدیل دین پر قتل کا حکم دے کر تبدیل دین کو سبب قتل قرار دیا تھا۔ مگر اس کے برخلاف اس میں محاربہ کی قید لگا کر محاربہ کو سبب قتل قرار دیدیا گیا، اگر مقصد شارع یہ ہوتا کہ تبدیل دین کے بعد بھی سزائے قتل کیلئے محاربہ شرط ہے تو پھر صرف تبدیل دین پر ہی قتل کا حکم اس حدیث میں کیوں دیا جاتا۔ علاوہ ازیں محاربہ اور برسرپیکار ہونا تو تبدیل دین کے بغیر بھی سبب قتال ہے اور باغی خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم سب کے ساتھ مقاتلہ اور قتال کا حکم ہے۔ اور محارب چونکہ برسرپیکار ہوتا ہے اس لئے اس کے ساتھ مقابلہ اور قتال ہی ہو سکتا ہے۔ جو دونوں طرف سے وقوع قتال کو چاہتا ہے۔ اور اس حدیث میں تبدیل دین پر قتال کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ بطور سزا کے مرتد کو قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس لئے اس میں محاربہ کی قید لگانا قتل اور قتال کے فرق کو نظر انداز کر دینا ہے۔ چونکہ ارتداد اور محاربہ علیحدہ علیحدہ دو جرم ہیں۔ اور ان دونوں کی سزائیں بھی مختلف ہیں البتہ بعض اوقات مرتدین کی جماعت بھی قوت و شوکت حاصل کر کے مسلمانوں کے مقابلے پر آمادہ ہو جاتی ہے اور اس طرح ارتداد اور محاربہ دونوں جرم جمع ہو جاتے ہیں۔ یہیں سے مضمون نگار کی اس بات کا جواب بھی سمجھ میں آگیا ہو گا۔ کہ اس سے مراد وہی لوگ ہیں جو اسلام کو چھوڑ کر ساتھ ہی مسلمانوں کو چھوڑ کر کفار سے جا ملتے تھے۔ بھلا جو شخص دارالاسلام کو چھوڑ کر دارالکفار میں چلا جاتا تھا اس پر سزائے قتل کا جاری کرنا کب ممکن تھا اور ایسے لوگ اس سے کیسے مراد ہو سکتے ہیں۔ جن پر سزائے قتل کا جاری کرنا ہی ممکن نہیں رہتا۔ اسی طرح مضمون نگار نے جو یہ لکھا ہے کہ "صلح حدیبیہ میں آنحضرت صلعم نے یہ شرط قبول کر لی تھی کہ کوئی مسلمان کفار کے ساتھ جا ملے تو واپس نہیں کیا جائے گا۔ اگر قرآن میں مرتد کی سزا قتل ہوتی تو آپ اس کے خلاف شرط کبھی قبول نہ کرتے" (حوالہ بالا)

اس کا جواب بھی اس سے ہو گیا کہ جو شخص مرتد ہو کر دارالحرب میں چلا گیا۔ لاحق بدارالحرب کے بعد اب اس پر سزائے ارتداد کا نافذ کرنا ممکن ہی نہیں رہا۔ اور وہ اسلامی سلطنت کے دائرہ اختیار سے نکل گیا ایسے شخص کے واپس نہ کئے جانے کی شرط کو قبول کر لینا اسکی دلیل نہیں بن سکتا کہ اسلام میں مرتد کی سزا قتل نہیں ہے۔ اسلامی سزا کا اسی شخص پر نفاذ کیا جا سکتا ہے۔ جو اسلامی حدود سلطنت میں رہتا ہو اور جس پر حکومت کا قابو اور گرفت ہو۔

خلفاء راشدین کا تعامل | تفسیر و حدیث اور تاریخ کی مستند کتابوں میں خلفاء راشدین رضی کا مرتدین کو قتل کرنا مذکور ہے۔ اور یہ بھی تاریخ کے مسلمات میں سے ہے کہ خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے جن لوگوں کو سزائے ارتداد میں قتل کیا ہے ان میں ایسے مرتد بھی یقیناً شامل ہیں جن سے کسی قسم کا ارادہ فساد یا محاربہ

کا ظہور نہیں ہوا تھا۔ اور نہ انہوں نے خلافت کے خلاف باغیانہ سرگرمیاں دکھلائی تھیں بلکہ ان کو محض ارتداد کی سزا کے طور پر بھی قتل کیا گیا تھا۔ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ والی حدیث جو پہلے گذر چکی ہے۔ اس سے بھی واضح ہے۔ کہ مرتد کی سزا کیلئے محاربہ شرط نہیں صرف ارتداد پر ہی مرتد سزائے قتل کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اس لئے سزائے ارتداد کیلئے محاربہ کو شرط قرار دینا احادیث صحیحہ اور خلفاء راشدین کے تعامل کے خلاف ہونے کی وجہ سے کسی صورت بھی درست نہیں ہو سکتا۔

ایک شبہ کا ازالہ اب رہا مضمون نگار کا یہ شبہ کہ مسیلمہ کذاب نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی ترک اسلام کر کے نبوت کا دعویٰ کیا ---------- مگر حضور نے اسکو مرتد سمجھ کر قتل کرنے کا حکم نہ دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب مسیلمہ کذاب نے لشکر جمع کر کے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ اول سے بغاوت کی تو بعد سخت لڑائی کے قتل کیا گیا" (حوالہ بالا)

اس شبہ کا ازالہ اگر غور سے دیکھا جاتا تو اسی واقعہ سے ہو جاتا اس لئے کہ مسیلمہ کذاب کے قاصد نے جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے مسیلمہ کذاب کی رسالت کی تصدیق کی تو اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ اگر قاصد قتل کئے جاتے تو میں تمہاری گردن اڑا دینے کا حکم کرتا۔ (سیرت ابن ہشام ص ۹)

یہ فرمان رسالت اس بات کی دلیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی مدعی نبوت کی تصدیق سے ہی آدمی مرتد اور سزائے قتل کا مستحق ہو جاتا ہے۔ اس لئے خلیفہ راشد حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے جب ان کے دور خلافت میں مسیلمہ کذاب کے ماننے والوں کو گرفتار کر کے ان کے بارہ میں حکم دریافت کیا گیا تھا۔ تو انہوں نے یہ حکم صادر فرمایا تھا۔" فاعرض علیھم دین الحق وشھادۃ ان لا الہ الا اللہ وان محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فمن قالھا وتبرأ من دین مسیلمۃ فلا تقتلوہ ومن لزم دین مسیلمۃ فاقتلوہ۔ (احکام القرآن جصاص جلد ۲ ص ۲۸۵) وسنن کبریٰ الامام بیہقی جلد ۸ ص ۲۰۱ اس فرمان میں بھی صراحت کے ساتھ موجود ہے۔ کہ صرف دین مسیلمہ پر قائم رہنا ہی موجب سزائے قتل ہے اس میں محاربہ کی قید نہیں ہے۔

جب جھوٹی نبوت کے دعویدار کی تصدیق حسب فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم موجب سزائے قتل ہے تو کیا کوئی عاقل اس کا تصور کر سکتا ہے کہ خود جھوٹی نبوت کا دعویدار مرتد اور سزائے قتل مستحق نہ ہو گا۔؟ ہمارے مضمون نگار کے کہنے کے مطابق اگر یہ تسلیم ہی کر لیا جائے کہ مسیلمہ کذاب کے قتل کی وجہ اس کا بغاوت کرنا تھا۔ اور چونکہ اس نے حضرت ابوبکر خلیفہ اول سے بغاوت کی اس لئے وہ قتل کیا گیا تھا تو پھر بھی اس کے قاصد کا مستحق سزائے قتل ہونا تو محض اس کے ارتداد ہی کی وجہ سے تھا ورنہ بتلایا جاوے کہ

اس کے قاصد نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلہ میں کونسی بغاوت اور سرکشی کی تھی جس کی بنا پر وہ لسانِ نبوت سے سزائے قتل کا مستحق قرار پایا تھا، اسکو محض مسیلمہ کذاب کی رسالت کی تصدیق کرنے پر ہی مستحق سزائے قتل قرار دینے کی سوائے اس کے ارتداد کے اور کونسی وجہ ہو سکتی ہے۔؟ اگر مضمون نگار کے نزدیک یہ وجہ درست نہیں بنتی تو پھر کیا ان کے نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قاصد کو (نعوذ باللہ) بلا وجہ ہی سزائے قتل کا مستحق قرار دیا تھا۔؟

دراصل ہمارے مضمون نگار نے واقعہ کے اس جزء کی طرف سے بالکل چشم پوشی کر لی ہے۔ اس لئے انہوں نے یہ لکھ دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکو مرتد سمجھ کر قتل کرنے کا حکم نہیں فرمایا، علاوہ ازیں یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ خلافت اسلامیہ جو اسلام کی نمائندہ حکومت ہوتی ہے، اس کے خلاف بغاوت کرنے پر سزائے قتل دینا تو ہمارے مضمون نگار۔ جیسے عقلاء کے نزدیک تہذیب کے خلاف نہیں مگر اسلام کے خلاف بغاوت اور ارتداد پر سزائے قتل ان کو خلافِ تہذیب معلوم ہوتی ہے۔ گویا ملک کو انتشار اور بدامنی کے جراثیم اور باغی کی مخالفانہ سرگرمیوں سے بچانا تو ضروری ہے، اور اسکی سزا ئے قتل بھی معقول ہے۔ مگر ان عقلاء کے نزدیک ملتِ اسلامیہ کے باغی (مرتد) کو کھلی چھٹی حاصل ہونی چاہیے۔ کہ وہ اپنی باغیانہ سرگرمیوں سے ملت میں انتشار پھیلاتا رہے۔ اور اسلامی معاشرہ کو ارتداد کے جراثیم سے متاثر اور تباہ کرتا رہے۔ اس پر مواخذہ اور گرفت کرنا ہی آزاد خیالی اور شخصی آزادی کے خلاف ہے اور سزائے قتل تو ان کی طبع نازک پر بہت ہی گراں بار ہے۔ حیرت ہے کہ یہ عقلاء جو تحفظ ملک کو دیتے ہیں، اس تحفظ سے ملت کو کیوں محروم رکھتے ہیں۔؟ اور ملک کے خلاف سرگرمیوں پر مواخذہ اور سزائے قتل سے ان کی فرعونی آزاد خیالی اور مصنوعی شخصی آزادی کیوں متاثر نہیں ہوتی۔؟

اس کے علاوہ بخاری شریف کے باب النفخ فی المنام کے تحت علامہ ابن حجر نے ابن بطال سے نفخ کی تعبیر میں نقل کیا ہے یعبر بازالۃ الشئ المنفوخ بغیر تکلف شدید لسہولۃ النفخ علی النافخ ویدل علی الکلام وقد اھلک اللہ الکذابین المذکورین بکلامہ صلی اللہ علیہ وسلم وامرہ لقتلھما۔ (فتح الباری جلد ۲۸ صفحہ ۵۵)

اس میں صاف تصریح ہے کہ بخاری شریف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے جس خواب کا ذکر ہے، کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں دستِ مبارک میں سونے کے کنگن دیکھ کر ان کو پھونک مار کر اڑا دیا، اور کنگنوں سے آپ نے دو کذابوں کو مراد لیا، ایک اسود عنسی دوسرا مسیلمہ (بخاری شریف صفحہ ۱۰۴۲/۲) اس میں پھونک مارنے کی تعبیر اور اس سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ان دونوں کذابوں کے قتل کرنے کا حکم

فرمانا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ مذکورہ دونوں کذابوں کا قتل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے ہوا ہے اور نفخ فی المنام سے آپ نے ان دونوں کے قتل کا حکم فرمایا ہے۔

چنانچہ اس خواب کی تعبیر کا خارج میں اس طرح ظہور ہوا کہ اسود عنسی جس نے صنعا ئین میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا۔ اس کے ہلاک کے لئے فرمانِ نبوی حضرت معاذ بن جبل کے نام پہنچا اور ان کے ایک لشکری فیروز نامی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال سے ایک روز قبل اسکو قتل کر کے جہنم واصل کر دیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بذریعہ وحی اسکی خبر ملی تو آپ نے اسی وقت صحابہ کرامؓ کو اسود عنسی کے قتل کی خوشخبری دی اور فرمایا، فاز فیروز، فیروز کامیاب اور فائز المرام ہوا، (فتح الباری ص ۱۷/۲۴) اور تاریخ طبری ص ۲۲۰/۳)

اور مسیلمہ کذاب کے دعویٰ کا ظہور حسب تصریح تاریخ ابن اثیر ص ۱۴۵/۲ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حجۃ الوداع سے واپسی کے بعد ہوا اور تقریباً اس کے تین ماہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا۔ اس لئے اس کے بارہ میں اگرچہ آپ اس طرح کا انتظام نہیں کر پائے تھے جسطرح کا انتظام اسود عنسی کے بارہ میں فرمادیا تھا، مگر چونکہ اسود عنسی کے بارہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے سامنے موجود تھا۔ نیز مسیلمہ کذاب کے قاصد کے بارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان اور نفخ فی المنام کی تعبیر سے بھی آپ واقف اور باخبر تھے۔ اس لئے حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم اور عمل کی پیروی اور تعمیل کرتے ہوئے اپنی خلافت کی ابتداء میں ہی خالد بن ولیدؓ کو ایک لشکر دے کر مسیلمہ کذاب کے فتنہ کے استیصال کے لئے روانہ کر دیا اور اسی لشکر کے ایک سپاہی حضرت وحشیؓ نے اس کذاب کو جہنم میں پہنچا دیا۔

اس طرح جس مہم یعنی استیصال مرتدین کا آغاز خود بنفسِ نفیس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا اور نفخھما کی تعبیر میں جس مہم کے انتظام کی ذمہ داری قبول فرمائی تھی۔ اور اسکی تکمیل سے پہلے ہی آپؐ کا وقت موعود آپہنچا تھا حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قائمقام ہوکر اس کو آپ کے منشاء اور حکم کے مطابق پایۂ تکمیل کو پہنچا دیا۔ اور مسیلمہ کذاب کے فتنہ کے استیصال کرنے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت اور قائمقامی کا حق ادا کر دیا۔

اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فتنہ اسود عنسی کے استیصال کی طرح مسیلمہ کذاب کے فتنہ کے استیصال کے لئے بھی مہلت پاتے تو آپ ایسا ہی حکم فرماتے، جیسا کہ اسود عنسی کے لئے فرمایا تھا۔ مگر شاید اس مہم کی ابوبکر صدیق کے دست حق پرست پر تکمیل کرانے میں اس طرف بھی اشارہ ہو کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے خلیفہ برحق اور نائب مطلق ہیں۔ کیونکہ خلیفہ اور نائب کا فعل بھی اصل میں منیب کا ہی فعل ہوتا ہے۔ اس لئے ابوبکر صدیقؓ کا یہ کارنامہ بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعمال فاضلہ ہی میں معدود اور شمار ہوگا، جسکو ابوبکر صدیق نے بطور نیابت اور قائمقامی کے سرانجام دیا ہے۔

فتح الباری میں ہے: "یوخذ ان من ھذہ القصۃ منقبۃ الصدیق رضی اللہ عنہ لان النبی صلی اللہ علیہ وسلم فوّل نفخ السوارین حتی طارا فاما الاسود فقتل فی زمنہ واما مسیلمۃ فکان القائم علیہ حتی قتلہ ابوبکر الصدیق مقام مقام النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی ذلک (ص ۲۹۹)

شبہ مذکورہ کا یہ جواب تو اس صورت میں ہے جبکہ یہ ثابت کر دیا جائے کہ مسیلمہ کا قیام حکومت مسلمہ کی حدود و تسلط میں تھا اور یمامہ کا علاقہ جس میں اس نے دعویٰ نبوت کیا تھا وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات مبارکہ میں اسلامی سلطنت کی حدود سے خارج تھا۔ تو پھر اس شبہ کے واقع ہونے کیلئے کوئی بنیاد ہی باقی نہیں رہتی کیونکہ قتل کا حکم اسی شخص کیلئے دیا جا سکتا ہے جو حاکم مسلم کی ولایت اور حکومت مسلمہ کے زیر تسلط رہتا ہو۔ دوسرے ایسے سب واقعات کا ایک کلی اور اصولی جواب یہ ہے کہ حدیث من بدل دینہ میں قولی حدیث کے جو واقعات بظاہر معارض معلوم ہوتے ہوں تو قول کے مقابلہ میں فعل میں تاویل کی جائے گی اور قول کو ترجیح دی جائے گی، کیونکہ فعل میں بنسبت قول کے تاویل کی زیادہ گنجائش ہوتی ہے۔

ایک خدشہ کا جواب | اب رہا مضمون نگار کا یہ خدشہ کہ "اگر بالفرض اسلامی سلطنت میں کسی مرتد کو قتل کیا جائے تو پھر عیسائی سلطنتیں تبلیغ اسلام نہ صرف روک دیں گی بلکہ نو مسلموں کو ختم کر سکتی ہیں۔ تو ہمارے علماء کو سوچ سمجھ کر فیصلے کرنے چاہئیں" (ترجمان وقت ۲/۲ ص ۱۳)

اوّل تو عیسائی سلطنتوں کو اپنی آزاد خیالی اور شخصی آزادی کی رو سے یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ اسلام کی تبلیغ پر پابندی لگائیں اور جوابی اقدام کریں۔ کیا وہ ایسا کر کے تنگ نظر نہ کہلائیں گی۔؟ جس کا طعنہ اسلام کو دیا جاتا ہے۔ دوسرے یہ کہ قرآن کریم کے اعلان کے مطابق اب دنیا میں صرف ایک اسلام ہی سچا دین اور حق مذہب ہے اس لئے اس کے قبول کرنے پر پابندی لگانا اگرچہ کسی صورت میں بھی حق بجانب نہیں کہلائی جا سکتی، لیکن اگر ایسا کر دیا جائے تو اس کا نتیجہ بیش بریں نیست کہ غیر مسلم سلطنتوں میں نو مسلموں کا سلسلہ بند ہو جائے گا۔ مگر اسلامی سلطنتوں میں غیر مسلم مشنریوں کے کام کے بند ہو جانے سے مسلمانوں کا اسلام محفوظ ہو کر ارتداد کا دروازہ بھی بند ہو جائے گا۔ موجودہ دولت کی حفاظت کرنا غیر موجود دولت کی تحصیل سے تمام عقلاء کے نزدیک یقیناً اہم اور مقدم ہے۔ اسلام اپنے ماننے والوں کے ایمان کی حفاظت سے اس لئے دستکش نہیں ہو سکتا اور غیر مسلموں کو ان کی متاع ایمان پر ڈاکہ ڈالنے کی اجازت نہیں دے

سکتا کہ دوسری جگہ اسلام کی تبلیغ کے بند ہو جانے کا خطرہ اور اشاعت اسلام کے فائدہ سے محروم ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ کیا اس کا کوئی عقلی جواز نظر آتا ہے کہ ایک موہوم فائدہ کے لئے اپنے یقینی ضرر کو برداشت کرنے کیلئے تیار ہو جایا جائے اور نفع کی امید پر اپنے نقصان کی اجازت دیدی جائے۔؟

اگر بالفرض یہ خدشہ صحیح ہی ہو کہ اس پابندی سے غیر مسلم ممالک میں اشاعت اسلام میں کچھ رکاوٹ پیدا ہو جاتی ہے تو اس میں ذرہ بھر بھی شبہ نہیں ہے کہ اسلام کی حفاظت میں اس سے بڑی بھاری مدد ملتی ہے۔

تحریر بالا سے اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ اسلام سے ارتداد پر سزائے قتل کے خلاف جو دلائل اور شبہات پیش کئے جاتے ہیں ان کی کیا حقیقت ہے۔ اسلام میں ارتداد کی سزا قتل ہے۔ قرآن کی آیتوں حدیثوں اور خلفاء راشدین کے تعامل اور اجماع امت سے یہ سزا ثابت ہے اور یہ فیصلہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت پہلے سے فرمایا ہوا ہے۔ خدا اور رسول کے فیصلہ میں ترمیم تنسیخ کا نہ تو کسی عالم کو اختیار ہے نہ ہی کسی مسٹر اور بزعم خود تبلیغ اسلام کے مدعی کو یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ اسلام کے اس حق حفاظت خود اختیاری کو استعمال کرنے سے اس کے صحیح اور سچے علمبرداروں کو باز رہنے کا مشورہ دے۔

اور یہ بھی غور کرنے کی بات ہے کہ صحیح حدیثوں اور تمام امت کے فیصلہ کے برخلاف قتل مرتد کا انکار کرنے اور امت کے اجماعی اور متفقہ فیصلے کے تبدیل کرنے کیلئے کسی عالم یا علماء کو سوچنے اور سمجھنے کی اجازت کیسے دی جا سکتی ہے کیا اسلام کے قرن اول سے لیکر آج تک کا یہ فیصلہ نعوذ باللہ بے سوچے سمجھے ہی کر دیا گیا تھا۔؟

قرآن و حدیث میں جو احکام صاف صاف آچکے اور جس بات کا فیصلہ ہو چکا اب اس میں علماء کی سوچ سمجھ کا کیا دخل ہو سکتا ہے جس کا بے سوچے سمجھے علماء کو مشورہ دیا جا رہا ہے۔ فالی اللہ المشتکی۔ اللہ تعالیٰ فہم سلیم عطا فرمائیں۔ آمین۔ وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وآلہ وصحابہ اجمعین۔

پی سی ٹی
مارکہ
سپیئر پارٹس سائیکل
پاکستان میں سب سے اعلیٰ اور معیاری
بٹ سائیکل سٹور نیلا گنبد۔ لاہور۔ فون نمبر 65309